محمد اکرام چغتائی*

قصۂ منصور (مطبوعہ ۱۸۵۱ء) از احمد علی شیو راجپوری

Abstract:

Qissa-i Mansur (1851) of Ahmad Ali Shivrajpuri

Mansur al-Hallaj (857-922) was a great martyr-mystic of the history of Sufism who, irrespective of various controversial remarks about his personality and concepts, still has a profound influence on the mystical thought of the internationally-known intellectuals and religious thinkers. Much has been written on the different aspects of this mystic in almost all the languages of the world. No doubt, Louis Massignon (d. 1962), a reputed French orientalist, "discovered" Hallaj and devoted about a half century to bring to light the different aspects of Hallaj's life and writings.

Ahmad Ali Shivrajpuri wrote *Qissa-i Mansur* in Urdu which was published in 1851. Luckily, this very unique poetic tract is available in the Sprenger Collection of the Berlin State Library that is being published here with a relevant introductory information.

Keywords: Mansur al-Hallaj, Louis Massignon, *Qissa-i Mansur*, Ahmad Ali Shivrajpuri, Sprenger Collection of the Berlin State Library.

تاریخِ تصوف میں ابوالمغیث الحسین بن منصور الحلاج (۸۵۷ء – ۹۲۲ء) واحد ایسی شخصیت ہیں، جن کے ذاتی احوال، صوفیانہ تصورات بالخصوص ''انا الحق'' کے متعلق گذشتہ تقریباً گیارہ صدیوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور ان لکھنے والوں میں ہر دور کے معتبر مورخین اور لائق صد احترام علما وصوفیہ کرام بھی شامل ہیں۔[1] بالعموم کسی ایسی مقبول شخصیت کے مبصرین دو طبقوں پر مشتمل ہوتے ہیں، یعنی معتقدین یا منتقدین، لیکن حلاج کے حوالے سے بعض ایسے صوفیہ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے جو ''توقف'' فرماتے ہیں، یعنی ان کے بارے میں اپنی کسی رائے کا کھل کر اظہار نہیں کرتے اور خاموش رہتے ہیں۔ جنید بغدادی اور ان کے ایسے متبعین کو ''متوقفین'' کہا جا سکتا ہے۔ اولیاے کرام میں شاید ہی کوئی اور ایسا صوفی ہو جس پر رائے دہندگان کے یہ تین طبقے یعنی متفقین، مخالفین اور متوقفین پائے جاتے ہوں۔

بحوالہ حلاج ان کے معتقد اور منتقد اصحاب کی نثری اور شعری تحریریں مسلمانوں کی تقریباً سبھی زبانوں میں دستیاب ہیں اور ان کی ادبی اور فکری روایات پر اس مصلوب شخص کے گہرے اور دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ ان کے نام سے ''حلاجیہ'' سلاسل کا آغاز ہوا اور بالآخر آزادی فکر، جذبۂ حریت، دگر اعتقادی اور ناپسندیدہ نظام حکومت کے خلاف علامت کے طور پر یہ نام استعمال کیا جانے لگا۔ جہاں تک حلاج کے سوانح اور صوفیانہ اقوال وفرمودات کا تعلق ہے، تو ان کا اثر براہ راست طور پر کم اور فریدالدین عطار کے تذکرۃ الاولیا[2] کے توسط سے زیادہ ہوا اور برسوں ہمارے صوفی تذکرہ نویسوں نے اسی کو اپنا اساسی ماخذ بنائے رکھا۔

تعجب ہے کہ تقریباً ایک ہزار سال حلاج کو مظلوم ٹھہرانے یا مورد الزام قرار دینے میں گذر گئے۔ اس دوران میں ان کے فرمودات، اشعار وغیرہ کا حوالہ تو دیا جاتا رہا، لیکن ان کی کوئی مصدقہ تصنیف دستیاب نہ ہو سکی۔ بالآخر بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں حلاج کی عربی تالیف بعنوان کتاب الطواسین[3] کی دریافت کا سہرا فرانس کے معروف خاور شناس لوئی ماسینیوں (م۱۹۶۲ء) کے سر بندھا اور پھر اس نے اپنی عمر کا بقیہ حصہ حلاج پر تحقیق و تدقیق ہی کے لیے وقف کر دیا۔ اس کے ڈاکٹریٹ کے مقالے کا موضوع بھی حلاج ہی تھا، جو بزبان فرانسیسی دو جلدوں میں حلاج کے مصلوب ہونے کے ایک ہزار سال بعد اشاعت پذیر ہوا، یعنی ۱۹۲۲ء میں۔ اس کے دوسرے ایڈیشن میں اس قدر اضافے کیے گئے کہ یہ مقالہ دو کے بجائے چار جلدوں میں منظر عام پر آیا۔ (مطبوعہ پیرس ۱۹۷۵ء) اور بعد میں خوش قسمتی سے اسی ماسینیوں کے امریکی شاگرد ہربرٹ میسن (۱۹۳۲ء –) کی مساعی سے انگریزی میں منتقل ہوا (چار جلد، پرنسٹن یونی ورسٹی پریس، ۱۹۸۲ء)۔ علاوہ ازیں ماسینیوں نے حلاج کی حیات و تصانیف اور صوفیانہ تصورات کے مختلف پہلوؤں پر جو کثیر تعداد میں مقالات سپرد قلم کیے، ان کو ایک

علاحدہ جلد میں شائع کیا گیا (مطبوعہ بغداد)۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ حلاج کی دریافتِ نو کا اعزاز فرانس کے اس رومن کیتھولک مستشرق ماسینیوں کو حاصل ہے اور اس کی رحلت کو پچپن سال گذر گئے ہیں، لیکن اب بھی حلاج سے متعلق اس کی تحقیقات و مطالعات کی افادیت جوں کی توں قائم ہے۔ اس ضمن مین اگر کچھ پیش رفت ہوئی ہے، تو وہ جرمن اسکالر محترمہ ڈاکٹر آنے ماری شمل (م۲۰۰۳ء) کی مرہون منت ہے، جس نے ماسینیوں کی تحقیق کے بعض تشنہ پہلوؤں کو اجاگر کیا، بالخصوص برصغیر سمیت مسلمانوں کی ادبیات پر حلاج کے گہرے اثرات کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے۔[۴]

ماسینیوں نے حلاج پر اپنی محولہ بالا ضخیم تصنیف (طبع ثانی) میں برصغیر میں اس ''شہید عشق الٰہی'' کے اثرات کی نشاندہی کی ہے اور اس سلسلے میں مغربی بنگال اور گجرات (بھارت) کے بعض صوفیانہ سلاسل کے علاوہ عبدالقادر ہمذانی، یحییٰ منیری، مسعود بک، گیسو دراز، سرمد کاشانی، سلسلہ شطاریہ اور نقشبندیہ کے بعض اولیا، مجدد الف ثانی (فتاویٰ)، قاضی محمود بحری اور عبدالقادر بیدل کا خصوصی ذکر کیا ہے اور ان کے طرز حیات، تعلیمات اور شاعری پر حلاج کے گوناگوں اثرات پر اظہار خیال کیا ہے[۵]۔ اس ضمن میں علامہ اقبال سے اپنی ملاقات[۶] اور مراسلت کا ذکر کرنے کے بعد جاوید نامہ کے فلکِ مشتری کا بزبان فرانسیسی ترجمہ بھی درج کیا ہے۔ آخر عمر تک اقبال نے ماسینیوں کو یاد رکھا اور اپنی وفات سے ایک سال قبل ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، مقیم پیرس، کے نام خط (۱۹۳۷ء) میں انھیں سلام پہنچانے کی تاکید کی۔ اقبال کے انتقال کے چند سال بعد جب ماسینیوں پہلی بار لاہور آیا (۱۹۴۵ء) تو اقبال کی قبر پر فاتحہ پڑھنے حاضر ہوا اور جب ۱۹۵۳ء میں فرانسیسی خاتون میرووچ نے خطبات کو اپنی زبان میں منتقل کیا (مطبوعہ پیرس) تو اس کے مفصل پیش لفظ میں ماسینیوں نے اقبال سے اپنے ذاتی تعلق کو تفصیل سے بیان کیا۔

ماسینیوں نے اپنی محولہ بالا کتاب کے باب بعنوان ''ہند میں یادگارِ حلاج'' مین ان صوفیہ اور شعرا کے علاوہ احمد علی شیو راجپوری کا نام بھی لکھا ہے، جو منظوم ''قصۂ منصور'' کے علاوہ ''قصۂ جمجمہ'' کا بھی مصنف ہے۔ ''قصۂ منصور'' کا کامل متن اور احمد علی کے معلومہ حالات سطور ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:

ان دونوں قصوں کو جس شاعر نے منظوم کیا، اس کے حالات زندگی دستیاب نہیں۔ ماسینیوں نے بھی صرف یہی لکھا ہے کہ وہ لکھنؤ کے مغرب میں واقع گاؤں میں پیدا ہوا اور غالبًا اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں یہ داستانیں قلم بند کیں[۷]۔ ان دونوں قصوں کے سنین طباعت بھی درج نہیں، لیکن قیاساً انھیں انیسویں صدی عیسوی کے نصف دوم کی مطبوعات میں شامل کیا جاتا ہے۔ معاصر تذکروں میں احمد علی شیو راجپوری میں یک سطری ذکر تک نہیں ملتا، حتیٰ کہ ڈاکٹر الوئس اشپرینگر[۸] اور گارسیں

دتاسی کی تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی (فرانسیسی، طبع دوم)[۹] بھی کچھ مزید معلومات فراہم نہیں کرتی۔ مزید یہ کہ ان قصوں کے ابتدائی یا اختتامی اشعار اور ترقیمات میں بھی کوئی ایسا شعر یا عبارت موجود نہیں، جس سے شاعر کے کسی سوانحی پہلو کا علم ہو سکے۔ البتہ قصۂ منصور کے اواخر میں کچھ اشعار سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً ان کا تخلص رسا تھا۔[۱۰]

ماسینیوں کو قصۂ منصور کا جو مطبوعہ نسخہ دستیاب ہوا، وہ ان دنوں لندن کی برٹش میوزیم لائبریری میں محفوظ تھا اور اب برٹش لائبریری کے متعلقہ شعبے میں منتقل ہو گیا ہے۔ راقم نے احمد علی شیو راجپوری کے ان دونوں قصوں کی جو تفصیلات (مع مکمل متن قصۂ منصور) ذیل میں پیش کی ہیں، وہ برلین کی مرکزی لائبریری میں محفوظ ہیں اور یہ مطبوعہ صورت میں اشپرینگر کے ساتھ لکھنؤ سے وہاں پہنچے۔

قصہ جمجمہ بادشاہ (قلمی)۔ مخزونہ مرکزی کتاب خانہ، برلین۔ شعبہ مخطوطات

پھولوں سے مزین جرمن جلد، کچھ صفحات کرم خوردہ، براؤن کاغذ پر کتابت شدہ۔ تعداد اوراق ۲۳۰۔ تقطیع ۱۰×۱۷، ۷×۱۴ سنٹی میٹر، پندرہ سطور فی صفحہ۔ خط شکستہ نستعلیق میں مکتوبہ۔ سنہ کتابت ۴ شوال ۱۲۲۳ھ۔ ناقص الاول۔ ابتدائی چار اشعار بعد میں لکھے گئے۔

اس مثنوی میں حضرت مسیحؑ کے معجزات متعلقہ جمجمہ بادشاہ بیان کیے گئے ہیں۔ اختتامی اشعار اور ترقیمہ درج ذیل ہیں:

پرتھم الکنہ ناؤں چت لاؤں   جہہ چت لائے جوت لکھہ پاؤں
کہا سن ہجری تھا گیارہ سو پچپن   کہا قصہ ہوا خوشوقت تن من

تمت تمام شد قصہ جمجمہ بادشاہ بتاریخ چہارم شہر شوال ۱۲۲۳ سنہ ہجری۔[۱۱]

پہلے یہ قلمی نسخہ اشپرینگر کی ذاتی ملکیت تھا (رک، فہرست، مطبوعہ گیسن، ۱۸۵۷ء، ص۹۴، مکتوبہ ۱۲۲۳ھ، صفحات ۶۰۰) لیکن جب جرمنی واپس آنے کے بعد اس نے اپنا تمام ذخیرۂ مخطوطات برلین کے شاہی کتاب خانے کو فروخت کر دیا (۱۸۵۹ء) تو دیگر سیکڑوں عربی، فارسی، اردو اور چغتائی ترکی مخطوطات کے ساتھ یہاں محفوظ ہو گیا۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست (۱۸۵۴ء) میں اس قصے کے مطبوعہ نسخے کا حوالہ دیا ہے، جو لکھنؤ کے مسیحائی پریس سے طبع ہوا تھا (سنہ اشاعت نامعلوم) اور اس کا ابتدائی مصرعہ یہ ہے۔ ع کروں کس منہ سے مَیں حمد الٰہی۔[۱۲]

گارسیں دتاسی اس قصے کا ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے:

یہ ایک ہندی نظم ہے جس میں اس بادشاہ [جمجمہ] کے متعلق حضرت مسیحؑ کا ذکر ہے۔ یہ کتاب لکھنؤ سے چھوٹی

تقطیع کے ۹ صفحوں میں چند کالموں میں شائع ہوئی تھی۔ ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ تھا جو ۶۰۰ صفحات پر مشتمل تھا اور ۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء–۱۸۰۹ء) میں نقل ہوا تھا۔[۱۳]

راقم جن دنوں (۱۹۸۸ء) برلین کے اس کتاب خانے کے شعبۂ مخطوطات میں مطلوبہ معلومات کی جمع آوری میں مصروف تھا، تو اسے یہاں کے ذخیرۂ اشپرینگر میں چار اردو مثنویات کا ایک مجموعہ دستیاب ہوا، جو کانپور کے مطبع مسیحائی کا طبع شدہ ہے۔ پہلی مثنوی کا عنوان اعجاز عشق ہے (بارہ صفحات)۔ آخر میں ''تمت تمام شد مثنوی مولوی غلام سعد صاحب مدظلہ۔'' زیرعنوان ''در کیفیت وکیت وطن مالوفہ مؤلفہ۔'' پہلا شعر:

قریب کانپور ہے جاج نگری　　نہیں دنیا میں ایسی آج نگری

درمیان میں مؤلف کی ایک غزل، جس میں مجروحؔ تخلص استعمال کیا گیا ہے۔

دوسری مثنوی شعلۂ عشق (چھے صفحات) اور تیسری دریاے عشق (چھے صفحات)۔ یہ دونوں میر تقی میرؔ کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ چوتھی مثنوی کا عنوان قصۂ جمجمہ بادشاہ ہے (آٹھ صفحات)[۱۴]

آغاز

کروں کس منہ سے میں حمد الٰہی　　کیا طاقت زبان نے میری پائی

بذیل عنوان ''سبب اس قصے کے نظم کرنے کا'':

مرے اک ہم نشیں ہیں نیک سیرت　　بہت خوش خُو نہایت پاک طینت
خدا کی یاد سے اون کو بہت ذوق　　رکھیں ہیں اچھے قصوں سے بہت شوق
خوش الحاں ایسے گر کچھ گنگناویں　　تو خود بھی روئیں اور سب کو رولاویں
پڑھے اک شعر آہستہ سے اک روز　　کہوں کیا اوس میں تھا کتنا بھرا سوز
زبس تھا اون سے میں گستاخ بے حد　　کہا فرمایئے اس کو بہ شد مد
کہ اس لہجے سے بے خود ہو گیا میں　　خودی اپنی کو گویا کھو گیا میں
لگے کہنے مجھے یہ بات کیا ہے　　ہمیں گانے سے کیا نسبت بھلا ہے
مگر کر لیتے ہیں خوش اپنی خاطر　　کہ گانا رونا سب جانے ہیں آخر
ولے یہ شعر جس کے گنگنائے　　بہت ہی ٹھیٹ بولی اس کی پائے
ہر اک شعر اس کا ناموزوں پڑا ہے　　ردیف و قافیہ کا ذکر کیا ہے
مگر مطلب بہت اس کا بھلا ہے　　سنا جس نے وہ اس پر بتلا ہے

وہ یعنی جمجمہ کی ہے کہانی سُنی جیسے ہوا دل میرا پانی
اگر تو اس کو اردو میں سناوے یقیں ہے نیگ اس کا جن سے پاوے
ولے اک شرط ہے ہو صاف بولی کہ گویا ہے شکر پانی میں گھولی
نہ ایسے جیسے ہو پِتّے میں پتھر کہ جس کو سن کے دل میلا ہو اکثر
لغت سے عاری ہووے وہ سراسر کہ جاہل بھی اوسے پڑھ لیوے فرفر
غرض جب اس طرح کا اذن پایا تو اس کو صاف میں نے کہہ سنایا
بس اے خامہ تو اب اپنی زباں کھول کہاں تک خاموشی، ہاں اب تو کچھ بول
سنا اک قصۂ دلچسپ و جاں سوز دل عالم ہو جس سے عبرت اندوز
بیاں کر کوئی پاکیزہ حکایت کرم سے اپنے کر مجھ پر عنایت
میں طالب ہوں تری تحریر خوش کا فدا ہوں دل سے میں تقریر خوش کا
قلم نے یہ کہا اپنی زباں سے نہیں بہتر ہے قصہ جمجمہ سے
سو وہ کرتا ہوں میں تجھ سے بیاں اب سنا ہے جو وہ کرتا ہوں عیاں اب

مثنوی کے اختتام کے بعد:

تمت بحمد اللہ کہ قصہ جمجمہ از معجزات حضرت عیسیٰ تصنیف منشی احمد علی شیو راجپوری در مطبع مسیحائی باتمام رسید۔

اس مجموعہ مثنویات کا سنہ طباعت درج نہیں، لیکن یقیناً یہ ۱۸۵۷ء سے قبل طبع ہوا۔

برلین کے اس ذخیرۂ اشپرینگر میں دو اردو مثنویوں پر مشتمل مطبوعہ نسخہ بعنوان ''قصہ جمجمہ و سپاہی زادہ'' بھی محفوظ ہے۔ اشپرینگر نے اس کا عنوان ''قصہ جمجمہ و سپاہ زادؔ'' لکھا ہے (رک: اس کے نجی کتاب خانہ کی فہرست، ۱۸۵۷ء، ص ۹۵)۔ مطبوعہ لکھنؤ، تعداد صفحات ۱۹۔

اس کے سرورق کے تحت یہ عبارت درج ہے:

حسب الحکم مہر ذیل مطبع کثیر المنافع المسمی بہ سلطان المطابع۔

اختتامی عبارت:

الحمد للہ والمنت کہ نسخہ جمجمہ بادشاہ من تصنیف احمد علی شیو راج پوری تمام شد۔

سنہ طباعت نہیں دیا گیا۔

اس کے بعد دوسری مثنوی بعنوان ''سپاہی زادہ'' شروع ہو جاتی ہے (صفحات ۱۱۰)۔ مثنوی نگار باشندۂ کرت پور خوش

دلؔ ہے، جیسا کہ آخری شعر سے معلوم ہوتا ہے:

بس اب خوشدلؔ زبان کو بند کر تُو   بہت سا کہہ چکا ہے درگذر تُو

قصۂ منصور (منظوم)

ماسینیوں کو تو یہ قصہ سابقہ برٹش میوزیم کی لائبریری سے دستیاب ہوا اور اس نے اردو سے ناواقفیت کے باوجود اس کے سولہ ابواب کے تحت بیان کردہ حلاج کے حالات و کوائف بیان کر دیے[15]، لیکن راقم کے زیرِ نظر نسخہ برلین کے مرکزی کتاب خانے میں دستیاب ہے اور یہ بھی ذخیرۂ اشپرینگر ہی میں محفوظ ہے[16]۔ قصہ جمجمہ کی طرح اشپرینگر اس قصے کا قلمی نسخہ حاصل نہ کر سکا اور تلاشِ بسیار کے باوجود اسے اس کے مطبوعہ ایڈیشن ہی پر اکتفا کرنا پڑا[17]۔ شاہ اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست (۱۸۵۴ء) میں مصطفائی پریس کے اس مطبوعہ نسخے (سنہ طباعت ندارد) ہی کا حوالہ دیا گیا[18]۔ اس مطبعے کا کرتا دھرتا مصطفیٰ خاں سرمٹکاف کا منشی تھا۔ پھر اس نے لکھنؤ میں مطبع مصطفائی قائم کیا، جو کانپور میں کچھ مدت گذار کر دہلی لایا گیا اور یہیں سے صادق الاخبار کا اجرا ہوا۔[19]

گارسیں دتاسی نے اس قصے کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

> قصۂ منصور، جو مطبع مصطفائی کانپور سے سنہ ۱۸۵۱ء میں ۲۰ صفحوں پر شائع ہوا تھا اور ہر صفحے پر ۱۹ اشعار ہیں۔ اس قصے کا موضوع ابومغیث حسین بن منصور المعروف بہ حلاج کی وفات یا شہادت ہے۔ انھیں حلاج اس لیے کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک دن دھنیے کی مدد کی تھی۔ یہ مشہور صوفی بزرگ تھے جو جنید بغدادی المعروف بہ سید طائفہ کے مرید تھے اور بغداد میں سنہ ۳۰۹ھ میں خلیفہ مقتدر کے حکم سے دار پر چڑھا دیے گئے، کیونکہ انھوں نے اپنے عالم شوق میں انا الحق کہہ دیا تھا۔ بعضوں کا قول ہے کہ انھیں اس لیے ہلاک کیا گیا کہ وہ کہتے تھے کہ زہد اور فیضان سے حج کی تلافی ہو جاتی ہے۔ بہرحال، اس غیر معمولی انسان کا ذکر مسلمان صوفیہ اکثر کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عیسائی تھے اور Herbelot [فرانسیسی مستشرق، ۱۶۲۵ء–۱۶۹۵ء] نے *Bibliothèque Orientale* میں ان کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں، جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔[20]

ماسینیوں نے اردو زبان نہ جاننے کے باوجود کسی فرانسیسی یا غیر ملکی اردو دان سے اس قصۂ منصور کے مندرجات کا ذکر کیا ہے۔ اس کی رائے میں سولہ ابواب اور ۳۱۴ ابیات پر مشتمل اس قصے کا بنیادی ماخذ فرید الدین عطار کا وصلت نامہ ہے۔ ابتدائی تین ا ور باب ۸–۹ اضافہ شدہ ہیں۔ ابواب ۷ اور ۱۶ میں قدرے دھیما پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے۔ ابتدائی مدحیہ اشعار کے بعد عشق مجازی کے بجائے عشق حقیقی پر خیال آرائی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ حلاج ظاہری اور باطنی

دونوں اعتبار سے درجۂ کمال تک پہنچ چکا تھا اور اتحاد ذات اعلیٰ کے نشے میں سرشار اس نے انا الحق کا نعرہ لگا کر اس راز کو افشا کر دیا (باب ۴)۔ یہ سن کر علما نے خلیفہ سے اسے تختہ دار پر لٹکانے کا مطالبہ کر دیا (باب ۵)۔ اسے پابند سلاسل کر دیا گیا۔ خود تو مقید رہا، لیکن ساتھی قیدیوں کو رہا کرا دیا۔ اس کے روزمرہ معمولات دیکھ کر قید خانے کا نگران اس کا معتقد ہو گیا (باب ۷)۔ یہاں قصۂ منصور کا مؤلف احمد علی شیو راجپوری کسی غیر معلومہ ماخذ کی بنیاد پر حلاج کے ایک مخالف کا ذکر کرتا ہے جو پوچھتا ہے کہ اس نے من و تو کے فاصلے کو کس طرح ختم کیا تو وہ جواباً سمندر اور قطرے کی مثال دیتا ہے (باب ۸، غالباً عطار کے زیر اثر)۔ حلاج کے مصلوب ہونے کی اصل وجہ بیان کی جاتی ہے (باب ۹)۔ وہ ایک پُرشکوہ روشنیوں سے جگمگاتا ہوا خیمہ دیکھتا ہے۔ اندر جھانکتا ہے تو اس کی نظر اولیا و اصفیا کے درمیان تشریف فرما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑتی ہے، جن سے وہ مودبانہ استفسار کرتا ہے کہ وہ کس طرح خود کو قربانی کے لیے پیش کر سکتا ہے۔ بحکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ذاتِ خداوندی پر خود کو فدا کرنے کے لیے خود کو پیش کرتا ہے اور انھی کے حکم پر وہ انا الحق کا نعرہ بلند کرتا ہے، جو اس کی موت کا باعث بنتا ہے۔ یہاں سے پھر شاعر عطار کے وصلت نامہ سے معلومات اخذ کرتا ہے۔ جنید بغدادیؒ، شبلیؒ کی معیت میں تشریف لاتے ہیں اور منصور کے اس نعرے کی مذمت کرتے ہیں (باب ۱۰)۔ منصور جواباً وصلت نامہ میں منقول حدیث کا حوالہ دیتا ہے (باب ۱۱)۔ چھے روز بعد جنیدؒ بطور فقیہ، منصور کی سزائے موت کے فتوے پر مہر ثبت کر دیتے ہیں (باب ۱۲)۔ منصور، شبلیؒ سے ملتمس ہے کہ وہ انا الحق سے کیوں صرفِ نظر نہیں کرتے اور شیخ کبیر یعنی ابن خفیف کا انتظار کرتے ہیں (باب ۱۳)۔ شیخ کبیر شیراز سے تشریف لاتے ہیں اور منصور وضاحت کرتا ہے کہ کس طرح ذاتِ اقدس کے حلول کے زیر اثر اسے یہ راز دروں افشا کرنا پڑا۔ وہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ اس جرم کے باعث قابل سزا ہے (باب ۱۴)۔ شیخ کبیر فتوے پر دستخط کر دیتے ہیں۔ عوام الناس کی کثیر تعداد اس پر پتھروں کی بارش کر دیتی ہے۔ اسی سنگ زنی میں شبلیؒ کے پھینکے ہوئے پھول سے وہ کراہنا شروع کر دیتا ہے۔ منصور اپنے چہرے اور بازوؤں پر بہنے والے خون کو صاف کرتا ہے تو شبلیؒ وضاحتاً فرماتے ہیں کہ حقیقی عشاق کی نماز تو اسی خون سے ادا کی جاتی ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ تصوف کیا ہے اور عشق کیا ہے (باب ۱۵)۔ بالآخر منصور کو آگ کے شعلوں کی نذر کر دیا جاتا ہے اور اس کی خاک کو ہوا میں اڑا دیا جاتا ہے (باب ۱۶)۔ آخر میں نافرمان روح کے لیے اشارہ اور عشق الٰہی کے طالبان کو نصیحت: منصور نے خون دل سے خود کو مصفّا کر لیا، آپ آنسوؤں سے یہ مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔[21]

احمد علی شیو راجپوری کے قصۂ منصور کا سنہ طباعت نہیں دیا گیا، البتہ گارسیں دتاسی نے کسی حوالے کے بغیر

۱۸۵۱ء بتایا ہے۔ یہ قصہ محمد مصطفیٰ خاں نے ان دنوں شائع کیا تھا، جب وہ اپنا مطبع لکھنؤ سے کانپور منتقل کر چکا تھا۔ اب تک کی معلومات کے مطابق اس مطبوعہ قصے کے دو نسخوں کا علم ہوا ہے۔ ان میں ایک تو برٹش میوزیم میں موجود ہے، جس سے ماسینیوں نے استفادہ کیا اور دوسرا مدراس (حالیہ چنائی، بھارت) میں۔ اب اس تیسرے نسخے کا اضافہ ہوا ہے، جو برلین کے مرکزی کتاب خانے میں دستیاب ہے۔ اس کی یہاں منتقلی معروف آسٹرین خاور شناس ڈاکٹر الوئس اشپرینگر (۱۸۱۳ء – ۱۸۹۳ء) کی مرہون منت ہے، جو برطانوی شہری کی حیثیت سے برصغیر پہنچا اور تقریباً چودہ برس (۱۸۴۳ء – ۱۸۵۶ء) یہاں گذار کر واپس جرمنی چلا گیا اور جاتے جاتے ''رستخیز بے جا'' (بقول غالبؔ) کی تباہ کاریوں سے ایک سال قبل عربی، فارسی، اردو اور چغتائی ترکی کے ہزاروں مخطوطات اور مطبوعات ساتھ لیتا گیا۔ قیام ہند کے دوران میں وہ محسن علی کالج (ہوگلی)، مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کی سربراہی کے علاوہ دہلی کالج کے پرنسپل کے فرائض بھی ادا کرتا رہا۔ انھی دنوں اسے سرکاری طور پر شاہ اودھ کے تین کتاب خانوں کے قلمی نسخوں کی فہرست سازی کی ذمہ داری بھی سونپی گئی[۲۲]۔ دہلی اور لکھنؤ سے اسے بیش بہا قلمی اور مطبوعہ نوادر حاصل ہوئے، جو جرمنی مراجعت کے بعد اس نے برلین کی متذکرہ بالا لائبریری کو فروخت کر دیے۔ اس کے فروخت کردہ تمام عربی، فارسی اور اردو مخطوطات کی فہارس چھپ چکی ہیں، لیکن ابھی تک مطبوعات کی کوئی مختصر یا جامع فہرست منظر عام پر نہیں آئی۔ اس کمی کو پورا کرنے کی غرض سے راقم کی مرتبہ فہرست زیر طبع ہے۔

قصۂ منصور کا اسلوبِ سخن کلاسیکی اور حریت فکر کا حامل ہے۔ اس میں شعری لوازمات کی پابندی کرتے ہوئے خدا اور بندے کے تعلق کو برملا اور دوٹوک انداز میں بیان کیا گیا ہے اور اس مقصد کے لیے شیخ منصور کے واقعے کو شعری سانچے میں ڈھالا گیا ہے۔

حواشی

* محقق و مورخ، لاہور۔

۱۔ ایسے متعدد عربی اقتباسات معروف فرانسیسی مستشرق اور ماہر حلاجیات، لوئی ماسینیوں (Louis Massignon) نے اپنی درج ذیل کتاب میں یکجا کر دیے ہیں:

Louis Massignon, *Recueil de textes inédites concernant l'histoire de la mystique en pays d'Islam,* (Paris: Geuthner, 1929), 57–70.

ماسینیوں نے خود اس کتاب کا ایک نسخہ تحفتاً پیرس میں مقیم سردار امراؤ سنگھ شیر گل مجیٹھیا کو پیش کیا، جو بعد میں سردار موصوف نے اقبال کو ہدیہ کر دی اور اب یہ اقبال کی دیگر ذاتی کتب کے ساتھ اقبال اکادمی پاکستان (لاہور) میں محفوظ ہے۔ برائے تفصیل دیکھیے: محمد صدیق، ''علامہ اقبال اور سردار امراؤ سنگھ شیر گل مجیٹھیا''، علامہ اقبال اور ان کے بعض احباب (لاہور: اظہر سنز پرنٹرز، ۱۹۸۸ء)، ص ۱۱۵–۱۴۸۔

۲۔ مرتبہ آر اے نکلسن، ۲ جلد، مطبوعہ لندن و لائیڈن، ۱۹۰۵ء–۱۹۰۷ء۔

۳۔ مطبوعہ پیرس، ۱۹۱۳ء، طبع عکسی، بغداد، بلا تاریخ؛ انگریزی ترجمہ از جیلانی کامران، لاہور ۱۹۷۷ء؛ سندھی ترجمہ مع شرح از ڈاکٹر عاشق حسین بدوی، حیدر آباد سندھ، ۲۰۰۹ء؛ فارسی ترجمہ از قاسم میر آخوری، تہران ۱۹۹۹ء۔ (در: مجموعہ آثار حلاج)۔

علاوہ ازیں ماسینیوں نے دیوان حلاج بھی ترتیب دیا، طبع نو مع اضافات و تصحیحات، پیرس ۱۹۵۵ء؛ مرتبہ کامل مصطفیٰ الشیبی، بغداد ۱۹۷۴ء؛ اردو ترجمہ از مظفر اقبال، کراچی ۱۹۹۶ء؛ مطبوعہ تہران، ۱۹۹۴ء۔

۴۔ برائے تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

الحلاج، شہید عشق، سوانح حیات (بزبان جرمن) کولون۔ ۱۹۷۰ء؛ حلاج: ''اے لوگو! مجھے خدا سے بچاؤ''، (بزبان جرمن، فرائی بورگ/ براٹس گاؤ، ۱۹۸۵ء؛ ''ہند کی فارسی شاعری پر حلاج کے اثرات'' (بزبان جرمن) در: ارمغانِ ہانری کربیں پیرس ۱۹۷۷ء، ص ۴۲۵–۴۷۷؛ ''جدید اسلامی ادب اور حلاج'' (بزبان جرمن) در: اسلام اور جدید ممالک اسلامیہ کا ادب مرتبہ بیورگل، لائیڈن، ۱۹۸۵ء، ص۱۶۱–۱۸۰؛ ''شہید عشق حلاج اور سندھی فوک شاعری'' (انگریزی) در: *Numen*، جلد ۹ شمارہ ۳ (۱۹۶۲ء)۔

۵۔ دیکھیے: اس کی کتاب کے انگریزی ترجمے کا یہ باب ''ہندی میں آثارِ حلاج'': (۲:۲۷۵–۲۸۹) The Survival of Hallaj in India، جو راقم کی حلاج پر انگریزی کتاب (مطبوعہ ۲۰۱۸ء) میں بھی منقول ہے (ص ۲۳۴–۲۵۲)۔

۶۔ اقبال دوسری (۷ستمبر تا یکم دسمبر ۱۹۳۱ء) اور تیسری گول میز کانفرنس (۱۷ نومبر–۲۴ دسمبر ۱۹۳۲ء) میں شرکت کے لیے انگلستان گئے۔ قبل ازیں انھوں نے ماسینیوں کو دو خطوط تحریر کیے، جن میں ان سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ان خطوط کا ماسینیوں نے حوالہ دیا ہے، لیکن یہ مجموعۂ مکاتیب اقبال (مرتبہ مظفر حسین) کی چار جلدوں میں موجود نہیں۔

دوسری گول میز کانفرنس کے آغاز سے قبل اقبال پیرس پہنچے اور امجد علی اور سردار امراؤ سنگھ مجیٹھیا کی ہمراہی میں ماسینیوں سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کے دوران میں کون سے موضوعات زیر بحث آئے، اقبال سمیت ان دونوں ساتھیوں نے کچھ نہیں بتایا، البتہ ماسینیوں نے حلاج پر اپنی ضخیم کتاب کی اشاعت دوم میں یہ صراحت کی ہے کہ زیادہ تر حلاج کی ذات ہی پر گفتگو ہوتی رہی۔

اقبال کی ابتدائی تحریروں میں حلاج کا ذکر متنازعہ روایات کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ جوں ہی اقبال کو حلاج کی کتاب الطواسین (مرتبہ ماسینیوں، ۱۹۱۳ء) کی طباعت کی اطلاع موصول ہوئی، انھوں نے اس کے فوری حصول کی کوششیں شروع کر دیں۔ پیرس میں مقیم ایک دوست کے توسط سے یہ کتاب ان تک پہنچی اور اس کے مطالعے کے بعد حلاج کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر تبدیل ہو گیا، جس کا ثبوت ان کی نامکمل تصنیف بعنوان تاریخ تصوف سے بخوبی مل جاتا ہے (مرتبہ صابر کلوروی، لاہور ۱۹۸۵ء، باب سوم، ص ۶۴–۹۰)۔ اقبال کی اس ذہنی تبدیلی کے متعلق ڈاکٹر یوسف حسین خاں رقم طراز ہیں:

> اس تبدیلی کی وجہ لوئی ماسینیوں تھے، جن سے علامہ کی ملاقات ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس میں جاتے ہوئے پیرس میں ہوئی تھی۔ انھوں نے حلاج کی کتاب الطواسین کو مدون کیا تھا اور ثابت کیا تھا کہ وہ وحدت الوجود کے بجائے اسلامی توحید کے اصول کا قائل تھا۔ (حافظ اور اقبال، ص۱۰۲)

اقبال اور حلاج کے موضوع پر رجوع کیجیے:

راقم کا مقالہ متعلقہ حلاج، در: سویرا (لاہور) شمارہ ۵۰۔ نیز ''اقبال اور لوئی ماسینیوں'' در: روزنامہ نوائے وقت (بابت ۵ نومبر، ۱۹۸۰ء) اور یہ دو کتب بعنوان حلاج، شہید عشق (اردو)، لاہور ۲۰۰۸ء؛ حلاج (انگریزی)، لاہور ۲۰۱۸ء؛ ''علامہ اقبال اور مسینیون'' در: محمد صدیق، مذکورہ بالا، ص ۹۶–۱۰۵؛ ڈاکٹر لئیق بابری: ''برگساں اور ماسینیوں سے اقبال کی ملاقات'' (انگریزی) در: پاکستان ٹائمز، ۱۲مئی ۱۹۷۸ء؛ سید احمد سعید ہمدانی، غالب و حلاج و خاتون عجم: مکالماتِ اقبال (لاہور: ۲۰۱۳ء)، ۱۵–۷۰۔

۷۔ رک: راقم کی حلاج پر انگریزی کتاب (۲۰۰۸ء)، ص۲۴۲۔

۸۔ ''شاہ اودھ کے کتاب خانوں میں عربی، فارسی اور ہندوستانی مخطوطات کی فہرست'' (انگریزی)، جلد اول، کلکتہ۱۸۵۴ء۔ بذیل ریختہ تذکرات، ص ۱۹۵۔۳۰۶۔

۹۔ تین جلد، مطبوعہ پیرس، ۱۸۷۰۔۱۸۷۱ء، طبع عکسی ۱۹۶۸ء۔

۱۰۔ قصۂ منصور حتمی طور پر منشی شیخ احمد علی متخلص بہ رسا کا نتیجۂ طبع ہے جو تحصیل دار کے طور پر ملازمت بھی کرتے رہے اور ۱۸۹۸ء سے پہلے سبک دوش بھی ہو چکے تھے۔ یہ معلومات محمد جائسی چشتی نظامی کی پدماوت کی ایک اشاعت (مطبع عظیمی، کان پور، ۱۸۹۸ء) کے خاتمۃ الطبع سے اخذ کی گئی ہیں جو محمد عظیم اللہ تاجر کتب، کان پور کا لکھا ہوا ہے (ص۶۳۶)۔ پدماوت کی یہ اشاعت منشی شیخ احمد علی رسا کی تصحیح و ترجمہ وتحشیہ کے ساتھ ہوئی ہے۔ متن کے بین السطور میں منشی صاحب کا اردو ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔ محمد عظیم اللہ نے مترجم کے تعارف میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ''قطع نظر اور زبانوں کے، زبانِ بھاکھا بھی خوب جانتے ہیں'' (ص۶۳۶)۔ منشی صاحب کا یہ ترجمہ اچھی رواں نثر میں ہے۔ حواشی بہت زیادہ نہیں ہیں مگر منشی صاحب کے علم و ذوق اور استحضار کی شہادت دیتے ہیں۔ (معین نظامی)

۱۱۔ رک: اردو مخطوطات، مرتبہ سید مجاہد حسین زیدی۔ مطبوعہ ویس بادن ۱۹۷۳ء، ص۷۳۔۷۴۔

اس قصے کے دیگر قلمی نسخوں کے لیے رک:

جے ایف بلوم ہارٹ: برٹش میوزیم کی لائبریری میں ہندی، پنجابی اور ہندوستانی مخطوطات۔ لندن ۱۸۹۹ء، ص ۴۸، شمارہ ۵۶ (IV)؛ ایس شاستری وٹی چندر شیکھر: گورنمنٹ اورینٹل مینوسکرپٹس لائبریری، مدراس کے اسلامی مخطوطات۔ تین جلد ۱۹۳۹۔۱۹۵۴ء، بمد اشاریہ، ص۲۔

مطبوعہ کانپور، ۱۸۵۲ء ولکھنؤ ۱۸۷۰ء (؟)

جے ایف بلوم ہارٹ: فہرست انڈیا آفس لائبریری۔ جلد دوم، حصہ دوم ''ہندوستانی کتب''۔ لندن، ص۱۲۰۔

۱۲۔ فہرست، محولہ بالا، ص ۵۹۸۔

۱۳۔ تاریخ ادبیات اردو۔ فرانسیسی سے اردو ترجمہ از لیلیان سیکستن نازرو۔ ترتیب و تدوین اور تقدیم ڈاکٹر معین الدین عقیل۔ کراچی ۲۰۱۵ء، ص ۱۲۸۔

۱۴۔ حیرت ہے کہ مخطوطاتِ برلین (اردو) کے فہرست ساز مجاہد حسین زیدی نے اس مثنوی کے اوراق کی تعداد تین سو جب کہ اشپرینگر اور اس کے تتبع میں گارسیں دتاسی نے صفحات کی تعداد چھے سو بتائی ہے۔ ممکن ہے، یہ اس کی تلخیص ہو۔

۱۵۔ رک: حلاج (انگریزی ۲۰۱۸ء)، ص۲۴۲۔۲۴۳۔

۱۶۔ لائبریری نمبر: ZV 4720

۱۷۔ فہرست، مطبوعہ گیسن (Giessen)، ۱۸۵۷ء، ص۹۲ شمارہ ۱۶۸۱۔

۱۸۔ فہرست (۱۸۵۴ء)، ص ۵۹۸۔

۱۹۔ گارسیں: تاریخ (فرانسیسی) جلد دوم، ص۴۰۲۔۴۰۳ اور اس کا اردو ترجمہ، محولہ بالا، ص ۱۰۰۷۔۱۰۰۷۔ گارسیں نے طابع مصطفیٰ خان کی تصانیف کے تحت قصۂ منصور کو بھی شامل کر دیا ہے۔

۲۰۔ ایضاً (فرانسیسی)، جلد اول، ص ۱۵۹۔ اردو ترجمہ، ص ۱۲۸۔۱۲۹۔

۲۱۔ حلاج (انگریزی)، مرتبہ راقم، ۲۰۱۸ء، ص۲۴۲۔۲۴۳۔

۲۲۔ رک: راقم کی انگریزی کتاب بعنوان ''لکھنؤ کے شاہی کتب خانے اور برطانوی حکومت''۔ مراسلت مابین اشپرینگر و ایچ ایم ایلیٹ (۱۸۴۷۔۱۸۵۰ء)، لاہور ۲۰۱۷ء۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(۱)

عشق اک آسیب ہے آشوب زا　　عشق ہے اک فتنۂ رنج و بلا
عشق ہے اک زور، ہے نیرنگ ساز　　عشق ہے اک طرفہ دردِ جانگداز
عشق اک عاشق کش بیباک ہے　　عشق اک سنگین دل و سفاک ہے
عشق سے ہے عاشقوں کا دل کباب　　عشق ہے اک آفتِ خانہ خراب
عشق ہے شیرِ نیستانِ بلا　　عشق ہے گردابِ بحرِ جاں گزا
عشق اک دریا ہے ناپیدا کنار　　اس کی ہر اک موج ہے خنجر کی دھار
عشق ہے اک وادی کرب و بلا　　عشق اک ویرانہ ہے وحشت فزا
عشق ہے وہ چاہ جو اس میں گرا　　پھر نہیں لگتا اوس کا پتا
عشق ہے اک آتشِ جاں سوز آہ　　عشق ہے اک ناوکِ دلدوز آہ
عشق نے جس دل میں آ کر گھر کیا　　بیشک اوس کو خان و مان سے کھو دیا
زخم سے اس کے کوئی ہے سینہ چاک　　آگ سے اس کی کوئی ہوتا ہے خاک
ہے عدو یہ رحم کا بے شبہ و شک　　کر کے زخمی پھر چھڑکتا ہے نمک
ڈالتا ہے ایک کے اوپر یہ برق　　ایک کو کرتا ہے یہ دریا میں غرق
عاشقِ بیچارہ کا دشمن ہے صاف　　خون اوس کا یہ نہیں کرتا معاف
دار پر دیتا کسی کو ہے چڑھا　　ہے کسی کا تیغ سے سر کاٹتا
سیکھا ہے القصہ اس نے خوب ڈھنگ　　ہر جگہ اس کا جدا ہے طور و رنگ

۲۔ تحقیق معنی عشق و عشق بازی و بیان کیفیت عشق حقیقی و مجازی

عشق کے معنی میں ہے بس قال و قیل　　لاتے اپنے طور کی ہے سب دلیل
بعض کہتے ہیں یہ معنی الغرض　　عشق ہے بے شبہ نفسانی مرض
پر ارسطو نے لکھا ہے اے عزیز　　عشق میں باقی نہیں رہتی تمیز
کور ہو جاتا ہے عاشق سربسر　　عیب دلبر کو سمجھتا ہے ہنر

ہے اطبا کا مقولہ برملا — عشق ہے لاریب مالیخولیا
عشق کا ہوتا ہے جب طاری اثر — غیر دلبر کچھ نہیں آتا نظر
عشق کے آثار میں اے باوفا — سچ کہا ہے جس کسی نے یہ کہا

۳۔مثنوی

عاشقی را شش نشان باشد پسر — آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر ترا پرسند سہ دیگر کدام — کم خور و کم گفتن و خفتن حرام
عشق ہے عشقہ سے ماخوذ اے عزیز — ہے وہ یعنی اک گیاہ اے باتمیز
جس شجر پر پھیلتی ہے اوس کی بیل — خشک کر دیتی ہے اوس سے کر کے میل
عشق بھی جس طبع میں کرتا ہے گھر — سوکھ کر وہ جی سے جاتا ہے گذر
پر نہیں معشوق سے ہوتا جدا — جیتے مرتے وہ اوسی کا ہو رہا
بلکہ جو عاشق ہے وہ انجام کار — خود ہوا معشوق کا معشوق و یار
جب مجازی عشق کا ہے یہ اثر — کیوں حقیقی کا نہ ہو بہتر ثمر
عشقِ حق میں جو کوئی انساں مرے — کس طرح خالق نہ قدر اوس کی کرے
حق تو یہ ہے جس کو ہے عشقِ خدا — زندۂ جاوید ہے گو مر گیا
عاشق اللہ ہے ظلِ خدا — ذات سے سایہ نہیں ہوتا جدا
عاشق و معشوق ہوں جب ایک ہی — وہ سمجھتا اون کو ہے تب الٰہی
جب دوئی کا دل سے پردہ اٹھ گیا — تب انا الحق بھی کہا تو جرم کیا
نام حق کا حق نے جب آپ ہی لیا — قتل پھر منصور کو ناحق کیا

۴۔ بیان حال شیخ منصور اور کہنا لفظ انا الحق کا بہ جوشِ سرور

کہتے ہیں منصور تھا اک پاکباز — واقفِ رمزِ خدائے بے نیاز
دل سراسر نور تھا اوس ماہ کا — عاشقِ صادق تھا وہ اللہ کا
علمِ ظاہر میں وہ تھا گو بے مثال — علمِ باطن میں بھی تھا اوس کو کمال

عارفِ کامل تھا وہ کانِ وفا
باحیا تھا بامروت باصفا

نورِ عرفاں اوس کے رخ سے تھا عیاں
تھا مگر وہ شمعِ بزمِ عارفاں

گوہرِ دریائے علم [و] عقل تھا
آفتابِ آسمانِ نقل تھا

آ کے ہر اک نے سبق اوس سے لیا
اوس کے آگے سب نے زانو تہ کیا

پیشوائے خلق تھا وہ پاکباز
اوس کی خدمت میں تھا ہر اک کو نیاز

الغرض ہر علم میں مشہور تھا
خلق میں منصور ہی منصور تھا

دل میں اوس کے بس کہ تھا جذبِ الہ
سالک اوس کے آگے تھا گم کردہ راہ

عاشق اوس کے عشق پر دیوانہ تھے
صادق اوس کے صدق پر پروانہ تھے

جتنے تھے اس عصر میں مردانِ دیں
رکھتے تھے اوس کے فضائل پر یقیں

مستِ جامِ عشق گو مدت سے تھا
پر نہ کھولا اوس نے رازِ دل ربا

سال اوس کو اس طرح گذرے پچاس
بات کا اپنی رہا ہر لحظہ پاس

جوشِ دل سے ایک دن بے اختیار
کہہ اٹھا لفظ انا الحق مردکار

سنتے ہے یہ نعرۂ عبرت فزا
ہر جگہ بغداد میں چرچا ہوا

۵۔ آمادہ ہونا عالموں کا قتلِ منصور پر

جن کو تھا اخلاص اوس کی ذات سے
منع وہ کرنے لگے اس بات سے

خوش نہیں منصور یہ تیری ادا
خلق کو دشمن نہ تو اپنا بنا

ورنہ ہیں جو تابع شرع متیں
قتل پر آمادہ ہوں گے بالیقیں

بسکہ بحرِ عشق میں وہ غرق تھا
آشنا تھا کب کسی کے پند کا

جو بظاہر تھے عقائد میں درست
قتل پر باندھی کمر ان سب نے چست

عالموں سے جا کے استفتا کیا
حق میں تم منصور کے کہتے ہو کیا

تین سو ستر تھے وہاں عالم جلیل
مل کے سب نے کی بہم یہ قال و قیل

ہائے اس منصور کو کیا ہو گیا
دینِ حق کو چھوڑ کر کافر ہوا

گر نہ اس حرکت سے وہ باز آئے گا
بیشک اپنی جان سے وہ جائے گا

پھر تو باہم کر کے سب نے مشورہ
حال جو کچھ تھا خلیفہ سے کہا

بعد اس کے پھر کیا یہ التماس — ہے اگر کچھ شرع کا حضرت کو پاس
قتل میں اس کے نہ کچھ تاخیر کر — شرع تا قائم رہے اے دادگر
بات یہ سن کر خلیفہ چپ رہا — عالموں سے کچھ نہ پاسخ میں کہا
کیونکہ تھا اس رمز سے وہ آشنا — دل میں اس کے انس تھا منصور کا
کر کے اپنے دل میں خوض وفکر وغور — قید میں منصور کو بھیجا بغور

۶۔ قید میں جانا منصور کا اپنی ارادت سے اور رہا کرنا قیدیوں کا صرف کرامت سے

ایک جا دیکھا ہے میں نے یہ لکھا — پر نہیں عطّار نے ایسا کہا
یعنی جب منصور زنداں کو چلا — ایک ناداں اوس سے یہ کہنے لگا
ہے اگر تجھ میں کسی ڈھب کا کمال — چھوٹ جانا قید سے ہے کیا مجال
سنتے ہی یہ طعنِ مردِ باخدا — دفعتہً نظروں سے غائب ہو گیا
پھر لگا رہنے وہ اپنے طور پر — گاہ غائب گاہ پڑ جاتا نظر
دیکھ پاتا کوئی گر اوس کو کہیں — اور اوس سے مانگتا کچھ شے وہیں
بے تامل اوس کو مل جاتی وہ چیز — حیرتی اس بات سے تھے بے تمیز
اور گاہے قید کر لاتے اسے — بعد لحظہ پھر نہیں پاتے اسے
ایک مدت طور یہ اوس کا رہا — کہ نظر آیا تو گاہے چھپ گیا
قولِ ناداں پر یہ تھا سب شور و شر — ورنہ اوس کو قید سے کب تھا عذر
جب گیا زنداں میں وہ مردِ خدا — قیدیوں کو دیکھ کر ہر جا بندھا
بند کا اپنی نہ مطلق غم کیا — فکر میں ان کی رہائی کے پڑا
شب ہوئی تو قیدیوں سے یوں کہا — قید پڑنے کی تمھارے وجہ کیا
حال اپنا جس قدر تھا صاف صاف — کر دیا ہر ایک نے سب واشگاف
سن کے یہ منصور نے ان سے کہا — جاؤ سب کو کر دیا میں نے رہا
بولے قیدی بند ہوں جب تک نہ وا — کس طرح ہم قید سے ہوویں رہا
شیخ نے یہ سن کے اُن کی گفتگو — ہاتھ جھاڑا بے تامل ان کی سُو
ہو گئے سب بند ان سب کے جدا — بے تکلف ہو گئے وہ سب رہا

دست بستہ عرض پھر سب نے کیا   بند ہے در، قفل ہے اوس میں دیا
کی نظر منصور نے دیوار پر   ہو گیا رخنوں کا واں پیدا اثر
یعنی قیدی چار جو زنداں میں تھے   چار سُو دیوار میں رخنے ہوئے
پھر ہر اک رخنے سے بے خوف و خطر   نکلے قیدی اور پہنچے اپنے گھر
دیکھ کر داروغہ نے یہ ماجرا   دست و پا کو شیخ کے بوسہ دیا
اور یہ رو کر کہا اے مہرباں   آپ بھی ہوں ساتھ ان سب کے رواں
مجھ پہ جو ہو گا خلیفہ کا عتاب   جو زباں پر آئے گا دوں گا جواب
سن کے یہ منصور نے اوس سے کہا   سب کو گھر ہے، دار پر ہے میری جا
دار کو میں نے کیا جب اختیار   قید ہو کس طرح مجھ کو ناگوار
جلد اب اس جا سے ہو تو بھی رواں   تا کروں میں یادِ خالق اک زماں

۷۔مناجات کرنا منصور کا بحضور خداوند انام اور آرزو کرنا اوس کے وصال کی بہ خشوع وخضوع تمام

اٹھ گیا داروغہ، تب کر کے وضو   شیخ ہو بیٹھا دوزانو قبلہ رُو
اور یہ کرنے لگا ذکر اوس زماں   اے مرے پروردگارِ مہرباں
اے تو پنہاں ہے تو ہی ہے آشکار   اے تو خالق ہے تو ہے پروردگار
جانتا ہے تو ہی سب کے دل کا راز   کچھ چھپا تجھ سے نہیں اے بے نیاز
عرش و کرسی تو نے ہی پیدا کیا   تو نے ہی اپنا مجھے شیدا کیا
تو نے ہی پیدا کیے ہیں انس و جاں   ہے تو ہی بے شبہہ ربِ دو جہاں
ہے تو ہی آرامِ جانِ عاشقاں   ہے تو ہی درمانِ دردِ بے دلاں
وصل کی ہے تیری مجھ کو آرزو   جلد بر لا آرزو میری یہ تو
وصل تیرا مونس و غمخوار ہے   تیری ہی وصلت مجھے درکار ہے
وصل کی تیرے لگی ہے دل کو لاگ   لگ رہی ہے تیری ہی وصلت کی آگ
وصل کے پانی سے یہ آتش بجھا   اب نہیں ہے تابِ ہجر اے کبریا
تیری ہی وصلت کا دیوانہ ہوں میں   وصل پر تیرے ہی پروانہ ہوں میں
تیری ہی وصلت کا ہوں امیدوار   جلد مل جا مجھ سے اے پروردگار

اپنی ہی وصلت کی دے نعمت مجھے   سب طرف سے دل تو میرا پھیر دے
وصل اپنا میرے حق میں کر نصیب   تو ہو محبوب اور کر مجھ کو حبیب
وصل کا تیرے ہوا جب سے خیال   کچھ نہیں بھاتا مجھے اے ذوالجلال
وصل میں اب ہو رہی ہے دیر کیا   درمیاں سے جلد دے پردہ اٹھا
وصل بن اب میری طاقت طاق ہے   وصل کا ہر لحظہ دل مشتاق ہے
وصل ہی کی آس میں اے کبریا   باغ سے زنداں مجھے بہتر لگا
وصل کے سودا میں اے دانائے راز   دار کی ہے آرزو مجھ کو دراز

۸۔اعتراض کرنا ایک غافل کا اس ادا پر اور جواب دینا منصور کا کرّوفر

ایک نے دیکھا اوسے پڑھتے نماز   یوں کہا تشنیع سے اے پاکباز
تو اگر حق ہے تو پھر کر کے وضو   کس کے آگے پشت خم کرتا ہے تو
بولا اپنی آپ پڑھتا ہوں نماز   ناز سے ہے اپنے ہی مجھ کو نیاز
آپ طالب آپ ہی مطلوب ہوں   خود حبیب اور آپ ہی محبوب ہوں
آپ ذرہ آپ ہی بیضا ہوں میں   آپ قطرہ آپ ہی دریا ہوں میں
جو فنا ہو کر ملا دلبر سے جا   درمیاں ہے پھر دوئی کا ذکر کیا
ہے اوسی کی ذات کا ہر جا ظہور   جس جگہ دیکھو وہیں ہے اوس کا نور
اوس سے خالی ہے نہیں دیوار و در   سب میں ہے وہ کیا شجر ہے کیا حجر
درمیاں سے اٹھ گیا جس دم حجاب   پھر دوئی کا اوس جگہ ہے کیا حساب
ایک ہی جب ہو گئے اے نیک نام   پھر من و تُو کا وہاں کیا ہے مقام
بس یہ کہہ کر نعرہ مارا آہ کا   جوش میں آ کر انا الحق کہہ اٹھا

۹۔بیان وجہ قتل منصور بقول بعضے از محققان با ادراک وشعور

ایک جا پر یہ روایت ہے لکھی   وجہ یہ منصور کے ہے قتل کی
خواب میں اک شب نظر اوس کو پڑا   ایک خیمہ اک جگہ پر ہے کھڑا

اور رونق بخش ہیں وہاں مصطفیٰ[۹]   با تمامی اولیا و اصفیا
آیا اک سوراخ خیمے میں نظر   دھوپ نے اوس سے کیا اپنا گذر
تھے جو حاضر اون کو جب پہنچی گزند   سب نے تب چاہا کہ یہ ہو جائے بند
بند کرنے کی بہت تدبیر کی   پر نہ حکمت ایک کی بھی کچھ چلی
دیکھ کر حضرت نے با چشم پُر آب   یوں کہا بے سود ہے یہ اضطراب
جب تلک دے گا نہ منصور اپنا سر   بند ہونا اوس کا ہے دشوار تر
سن کے یہ منصور یوں کہنے لگا   ایک سر کیا لاکھ سر کیجے فدا
کس کا یہ رتبہ یہ ہیں کس کے نصیب   جو فدا محبوب پر ہووے حبیب
رہ میں دلبر کی اگر سر ہو فدا   اس سے بہتر ہے نہیں کچھ مدعا
یاں نہیں مطلب سخن سازی کا ہے   عشق بازی نام سر بازی کا ہے
سن کے فرمانے لگے خیرالورا   ہے مگر یہ عاشقِ صادق مرا
خواب سے منصور جس دم جاگ اٹھا   اوس کے لب پر تھی انا الحق کی صدا

۱۰۔ جانا سید جنید کا پاس منصور کے اور اعتراض کرنا قول انا الحق پر اہل شرع کے دستور سے

تھی درِ زنداں پہ خلقت صد ہزار   ہر طرف تھا شورِ محشر آشکار
آ کے عالم بھی ہوئے پاس اوس کے جمع   ہوتے ہیں پروانے جیسے گردِ شمع
شیخ شبلی دیکھ کر اس ڈھب کی قید   مضطرب ہو کر گئے پیشِ جنید
اور زنداں کا کہا یہ ماجرا   بے تامل شیخ یہ سن کر چلا
پہنچا جب زنداں میں شیخِ باخدا   باگروہِ مخلصانِ بے ریا
شیخ سے منصور نے اوس دم کہا   دم کی مہلت کیجیے مجھ کو عطا
کہہ کے یہ پھر اندروں کو رخ کیا   شیخ نے منصور سے تب یوں کہا
چھوڑ یہ منصور اپنا طمطراق   اب بھی باز آ از رہِ کفر و نفاق
عاشقی میں خوش نہیں اس ڈھب کے چال   شرع میں زنہار تو رخنہ نہ ڈال
اپنے عالم میں تُو دیوانہ ہوا   عاشقی کی رہ سے بیگانہ ہوا
تجھ کو کب کہنا انا الحق ہے روا   عقل گر ہووے تو اب بھی رہ پر آ

قول یہ تیرا اگر ہوتا صحیح — تو پیمبر بھی اسے کہتے صریح
بس کہ پیغمبر ہیں سب کے پیشوا — کر اطاعت اون کی اس سے باز آ

۱۱۔ جواب دینا منصور کا بہ دلایلِ شریعت اور پھر آنا سید جنید کا بہ اندوہ و ملالت

شیخ سے منصور نے اوس دم کہا — عشق بازی میں تجھے ہے دخل کیا
تیری ہے اسبابِ ظاہر پر نظر — سرّ پیغمبر سے کیا تجھ کو خبر
مــــن ارانـــــــی جو پیمبر[۱] نے کہا — تو نہیں اس رمز سے واقف ذرا
لـــی مـع الـلّـــہ بھی ہے قولِ مصطفیٰ[۴۲] — جانتا ہے اوس کے تُو مطلب کو کیا
نـــحـــن اقـــرب ہے جو خالق کا کلام — کیا تو واقف اوس سے ہے اے مردِ خام
تو نے ظاہر پر مجھے کافر کہا — حال باطن کا نہ جانا مطلقا
بت پرستی میں سدا رہتا ہے تُو — اور صوفی آپ کو کہتا ہے تُو
تُو روش اپنی سمجھتا ہے صواب — کیوں نہ ہوویں درمیاں لاکھوں حجاب
تو جو ہے اپنی خودی میں مبتلا — اس سبب سے ہے یہ نخوت برملا
جو عقیدت ہے تجھے تقلید سے — پھر تجھے نسبت ہے کیا توحید سے
شیخ یہ سن کر ہوا واں سے ہوا — اور اپنے گھر میں آ کر گھس گیا

۱۲۔ استفتا کرنا عالموں کا قتل منصور پر چھے بار اور فتویٰ لکھنا سید جنید کا بار ہفتم بدستور علماء شریعت دثار

عالموں نے دیکھ کر یہ ماجرا — شیخ سے پھر جا کے استفتا کیا
پر نہ اوس پر شیخ نے فتویٰ لکھا — کچھ نہ بولے منہ سے رونے کے سوا
دیکھ کر یہ شیخ کا مفتی نے طور — دل میں اپنے خوب کر کے فکر و غور
یوں کہا سلطاں سے اے عالی جناب — شیخ کا فتویٰ بھی لینا ہے صواب
کیوں کہ درویشوں کا ہے وہ پیشوا — وہ نہ لکھے گا تو ہے دہشت کی جا
شاہ کو بھی آئی یہ حجت پسند — بھیجا محضر پیشِ شیخِ ارجمند
پڑھ کے محضر شیخ روئے زار زار — کچھ نہ لکھا اوس کے اوپر زینہار

یوں ہی آیا الغرض محضر چھے بار — شیخ نے ہر بار کی لکھنے سے عار
بار ہفتم تنگ جب اون کو کیا — کر کے جامہ فقر کا تن سے جدا
پھر پہن کر عالموں کا سب لباس — اس پہ لکھا شرع کا پھر کر کے پاس
حکم ظاہر پر اگر درکار ہے — تو بلا شک وہ سزائے دار ہے
پا کے یہ فتویٰ کیا شور و فغاں — باز خواہ خوں ہوئے اس کے بجاں

۱۳۔ تفہیم کرنا شیخ شبلی کا منصور کو بہ ترک انا الحق اور راضی نہ ہونا منصور کا اس بات پر مطلق

حال فتویٰ کا جو شبلی نے سنا — یوں کہا منصور سے اے با وفا
رازِ حق کو کر کے تُو نے آشکار — کی گوارا اپنے حق میں آپ دار
اب بھی جو اس راز کو مخفی کرے — کون ہے جو پھر تجھے آزار دے
سن کے یہ منصور بولا اے رفیق — ہو رہا ہوں غرقِ دریائے عمیق
محو ہوں دلدار پر میں سر بسر — بند و آزادی سے کیا مجھ کو خطر
غم نہیں تکلیف و ایذا کا مجھے — کچھ نہیں آزار کی پروا مجھے
میں نہیں منصور ہوں اے با وفا — میں تو اوس کے رنگ میں ہوں مل گیا
نام کو ہر چند میں منصور ہوں — پر نہیں اک لحظہ حق سے دور ہوں
گنجِ پنہاں ہے مری اس چشم میں — سرِّ خالق ہے نہاں اس اسم میں
راز جو توحید کا ہے مہرباں — جلد ہوگا عاشقوں پر وہ عیاں
کر کے فانی آپ کو اے با وفا — جلد تر لیتا ہوں میں نقدِ بقا
دار پر لاتا ہوں اپنے جسم کو — یوں کروں گا روشن اپنے اسم کو
عشق بازی میں جو ہو گا پختہ کار — عشق کا حال اوس پہ ہو گا آشکار
ہوں فقط مخصوص میں اس کام پر — جان دوں گا یار کے میں نام پر
میں چھپانے کو نہیں پیدا ہوا — پھر چھپاؤں کس طرح سے شبلیا
ساغر احمدؐ سے ہوں میں بادہ خوار — یہ مری تخصیص کی ہے وجہ یار
سرِّ حق جب تک نہیں ہوتا عیاں — کل مجھے پڑتی ہے اے شبلی کہاں
میں نہیں اس راہ سے باز آؤں گا — شرط جو ہو گی بجا وہ لاؤں گا

پر مجھے اک روز کی مہلت ملے — تا کہ مل لوں کل میں اپنے یار سے
یعنی کل وہ آئے گا شیراز سے — دوں گا اوس کو آگہی اس راز سے
ہے وہ شیخ و عالم و فاضل فقیر — کہتے ہیں اوس پاک کو شیخ کبیر
ہو مری حالت سے جب اوس کو خبر — بے تامل مجھ کو کھینچو دار پر

۱۴۔ آنا شیخ کبیر کا شیراز سے اور منع کرنا منصور کو اس روش اور انداز سے

گفتگو منصور سے جو کچھ ہوئی — عالموں سے سب وہ شبلی نے کہی
الغرض جب روز وہ آخر ہوا — اور پردہ رات کا بھی اٹھ گیا
صبح دم آیا وہ شیخ نامدار — یوں کہا منصور سے اے باوقار
بھید حق کا کس لیے تو نے کہا — جس سے یہ نا اہل کرتے ہیں جفا
کیوں انا الحق کہہ کے تُو رسوا ہوا — کون جانے اس کا مطلب جز خدا
گنج کو پوشیدہ رکھتے ہیں مدام — کر دیا تو نے مگر یہ گنج عام
بادہ نوشی تو نے کی پنجاہ سال — ایسا بیہوشی سے تھا ابتر نہ حال
اب سبب کیا ہے کہ تو بیہوش ہے — اس قدر کیوں ہائے تجھ کو جوش ہے
یوں کہا منصور نے اے پُر ہنر — حال سے میرے ہے خود تجھ کو خبر
یعنی خود واقف ہے تو اے ہوشیار — بحرِ معنی کا ہے نا پیدا کنار
اور یہ بحرِ صفا اے مہرباں — مارتا ہے اپنی موجیں ہر زماں
مجھ کو بھی اوس بحر سے قطرہ ملا — ہوں اسی سے میں بھی موجیں مارتا
بھید جو توحید کا تھا کھل گیا — کہہ دو اب دیں دار پر مجھ کو چڑھا
آپ سے گر عالم استفتا کریں — بے تامل آپ بھی فتویٰ لکھیں
شیخ بولا جو کہا تم نے، سنا — واقعی کہنا تمھارا ہے بجا
پر میں فتویٰ کس طرح لکھوں بھلا — دیکھتا ہوں خود میں آثارِ خدا
تب کہا منصور نے اے نیک پے — لکھ دو قابل قتل کے منصور ہے
قتل میرا شرع میں ہے جب روا — پھر بھلا تاخیر سے مطلب ہے کیا

۱۵۔ ہجوم لانا عالموں کا پاس شیخ کبیر کے بطلب فتویٰ اور برپا کرنا دار کا

باہر آیا جب کہ وہ شیخ کبیر
آئی اوس کے پاس اک جمع کثیر

کہہ کے سب منصور کا یہ ماجرا
شیخ سے بھی آ کے پوچھا مسئلا

یوں کہا تب شیخ نے اے مردماں
قتل سے منصور ہے خود شادماں

حالِ باطن سے خدا آگاہ ہے
پر بظاہر قتل کی اک راہ ہے

یہ سخن جب عالموں نے سن لیا
دار کو فی الفور قائم کر دیا

اور لائے اوس جگہ منصور کو
اک تماشا تھا قریب و دور کو

کب رقم ہو ماجرا اوس روز کا
ہر طرف شورِ قیامت تھا بپا

ہر جگہ تھا لاکھوں انساں کا ہجوم
شہر میں یہ مچ گئی ہر سمت دھوم

آج عاشق کا ہے روزِ امتحاں
آج کرتا ہے جدا وہ اپنی جاں

آج ہے معشوق سے عاشق قریں
ہجر کا ہے آج روزِ آخریں

آج ہی معشوق کا ہے روزِ دید
آج ہی کے روز ہے عاشق کو عید

مہرباں معشوق ہے عاشق پر آج
ہوتا ہے بے شبہ وصلِ دلبر آج

ہوتا ہے اک دم میں عاشق کامیاب
درمیاں سے آج اٹھتا ہے حجاب

ہو چکا معشوق کا اب دور ناز
آج سے عاشق کا ہے دور نیاز

تیغ و گردن میں جو تھا مدت سے فصل
آج ان دونو کا ہے بے شبہہ وصل

آج بے شک بجھتی ہے نارِ فراق
آج آخر ہے زمانِ اشتیاق

کٹ گئی شکرِ خدا فرقت کی رات
درد و غم سے آج ہوتی ہے نجات

آج پہنچا مرہمِ وصلِ نگار
آج یہ ہوتا ہے زخمِ دل فگار

وصلِ دلبر آج ہوتا ہے نصیب
سرخرو ہوتا ہے عاشق عنقریب

الغرض واں جمع تھی خلقِ خدا
جس کے منہ میں جو کچھ آیا وہ کہا

تھا کھڑا منصور واں ایسا دلیر
لاکھ میشوں میں ہو جیسے ایک شیر

شاد تھا اک ذرّہ اوس کو غم نہ تھا
خوف شبنم سے بھلا دریا کو کیا

پھر انا الحق کہہ کے غائب ہو گیا
دیکھنے والوں کو سکتہ سا ہوا

سالک اپنی راہ سے تھے بے خبر
واصلوں کی تھی بحالِ خود نظر

صوفیوں کا اس سے زہرہ آب تھا عارفوں کا اس سے دل بیتاب تھا
زاہد اپنے زہد سے شرما گئے عالم اس انداز سے گھبرا گئے
چپ کھڑے تھے سب فقیر و پارسا جسم میں گویا کسی کے دم نہ تھا
طیش سے پھر عالموں نے اوس زماں کیں مشائخ پر بہت سی سختیاں
یہ ستانے کا سبب ہے آشکار یعنی ہو منصور کو یہ ناگوار
اور کھا کر طیش ہو جاوے عیاں تھا صحیح البتہ یہ اون کا گماں
پھر دیا جہّال کو اوس دم ابھار تا مشائخ پر وہ ہوویں سنگبار
جاہلوں نے یہ اشارہ پاتے ہی سنگباری کی مشائخ پر بڑی
دیکھ کر منصور یہ انداز و طور دار تھی جس جا وہاں پہنچا بفور
اور جوشِ عشق میں وہ با خدا پھر لگا دینے انا الحق کی صدا
سب نے بولی اوس کی جو پہچان لی سنگباری پھر بہت سی اوس پہ کی
تھی نہ غیبت سے غرض اوس کی وہاں ہو گیا منصور پھر سب پر عیاں
سنگ جس کا جسم پر اوس کے لگا جان کر وہ پھول اوس کو ہنس پڑا
اور شبلی نے جو مارا ایک پھول ہوگیا وہ اوس کے صدمے سے ملول
جس نے پوچھا اوس سے احوالِ تعب یہ بتایا اوس نے ایذا کا سبب
ہیں جو راہِ عاشقی سے بے خبر ظلم سے ان کے نہیں ہے کچھ ضرر
اور یہ ہے میرے دلبر کا حبیب یعنی ہے رشتہ میں یہ میرا رقیب
میری اور اوس کی نہ کچھ جب اوٹ ہو گل کی اس کے کیوں نہ دل پر چوٹ ہو
سن کے شبلی یہ کلام رنج زا وجد میں آ کر انا الحق کہہ اٹھا
جب کہ دی منصور نے پھر یہ صدا جتنے تھے ہر ایک نے ایسا کہا
یعنی تھے جو اوس جگہ بے اختیار سب لگے کہنے انا الحق بار بار
تھا وہاں انسان پر موقوف کیا تھی عیاں دیوار و در سے یہ صدا
عالموں نے دیکھ کر یہ طور و رنگ یوں کہا جلاد سے، ہے کیا درنگ
رحم اس کے حال پر مطلق نہ کھا بند سے کر بند تُو اس کے جدا
کھینچ کر جلاد جب خنجر چلا سر دیا منصور نے اپنا جھکا
اور کی جلاد کے یہ التجا جلد میرے سر کو کر تن سے جدا

سرد کر دے جلد تر فرقت کی آگ
وصل کی اب لگ رہی ہے دل کو لاگ

ہاتھ کاٹا سن کے یہ جلاد نے
شکر خالق کا کیا اوس شاد نے

ہاتھ سے اوس کے لہو جس دم بہا
بولا ہر قطرہ انا الحق کی صدا

پھر لہو میں ہاتھ اپنا بھر لیا
سرخ اوس سے ساعد و رخ کر لیا

پوچھا شبلی نے کہ اے فرخندہ خُو
ساعد و رو سرخ کیوں کرتا ہے تُو

یوں کہا منصور نے اے پاکباز
کر رہا ہوں میں وضو بہر نماز

خوں سے واجب ہے وضوے عاشقاں
بے وضوے خوں نماز اون کی کہاں

خونِ دل سے جو نہیں کرتا وضو
عاشقوں میں وہ نہیں ہے سرخرو

پھر کہا شبلی نے اے کانِ وفا
اب تصوف کے مجھے معنی بتا

بولا ادنیٰ ہے تصوف کا یہ حال
یہ جو دیکھا ہے یہ سب وہم و خیال

پھر کہا شبلی نے اے والا گہر
عشق کے معنی سے دے مجھ کو خبر

بولا معنی عشق کے اے مہرباں
قتل کرنا پھر جلانا ہے عیاں

الغرض یہ کہہ کے رسّی تھام کر
بے تامل چڑھ گیا خود دار پر

لے کے پھانسی دفعتہً وہ مر گیا
عاشقوں میں نام اپنا کر گیا

کہتے ہیں جب سر کٹا اوس پاک کا
تب بھی دی اس نے انا الحق کی صدا

پھر تو اوس کی بوٹی بوٹی کی جدا
عالموں نے جو نہ کرنا تھا کیا

پھر جلایا اوس کے جسمِ پاک کو
یوں دیا برباد اوس کی خاک کو

پھر دیا اوس خاک کو پانی میں ڈال
یوں دکھایا عشق نے اپنا کمال

۱۶۔ اشارت بنفس سرکش

عاشقوں کا کچھ جدا انداز ہے
عشق کا بھی طرفہ سوز و ساز ہے

حق تو یہ ہے عشق ہے مردوں کا کار
عشق نامردوں سے خود رکھتا ہے عار

کرتے ہیں جو غیر حق آنکھ اپنی بند
حق کے آگے بس وہی ہیں ارجمند

جان و مال و آبرو جو اپنی دے
پھر نہ کیوں معشوق قدر اوس کی کرے

تو بھی غیر حق نہ دیکھے گر رسا
کب رہے اسرار حق تجھ پر ڈھکا

دے اگر سر اوس کی رہ میں بے خطر
پھر تو اوس کو پا گیا تُو سر بسر

ہے اگر منظور تجھ کو سروری
سروری بے سر دہی کس کو ملی

سر دہی کے ہیں یہ معنی اے عزیز
زندگی میں مر جو ہے تجھ کو تمیز

عشق حق میں ہو جو تجھ کو ساز و سوز
ہو شبِ تاریک تجھ پر مثل روز

گر تُو اپنا نفسِ بت توڑے رسا
تب مسلماں تجھ کو کہنا ہے روا

خود پرستی میں نہیں ملتا خدا
حق پرستی پر تو اپنا دل لگا

حق پرستی وہ جو خود کو بھول جائے
کچھ نظر غیر از خدا تجھ کو نہ آئے

جب کرے گا دل سے ترک ما و من
تب ملے گا تجھ کو رب ذوالمنن

عشق ناپیدا نہیں اے بے خبر
پر تجھے بے شک نہیں آتا نظر

عشق ہے بینا کو مثلِ آفتاب
دیدۂ خفاش پر ہیں صد حجاب

دیکھ تُو منصور کو اے با وفا
کیسا کامل حق پرستی میں ہوا

عاشقوں سے کچھ نہیں یہ دور ہے
تُو اگر سر دے تُو ہی منصور ہے

حق میں مل کر وہ انا الحق کہہ اٹھا
تو خدا سے مل کے لے نام خدا

وہ انا الحق کہہ کے ہے مشہور عام
کہہ کے تُو حق حق فقط کر اپنا نام

اوس نے اپنا جی گنوایا چڑھ کے دار
تو اگر ہشیار ہے نفس اپنا مار

خون دل سے گر وضو اوس نے کیا
تو وضو کر آبِ دیدہ سے دلا

الغرض رکھ راہِ سیدھی پر نظر
راہ کج ہے اے برادر پُر خطر

راہ سیدھی کون ہے اے باوفا
ہے مگر وہ راہ راہِ مصطفیٰ[1]

ہو چکا منصور کا قصہ تمام
اب ہے احمد کا محمدؐ کو سلام

۱۔ دراصل: پیغمبر۔